(5) حسرت موہانی

(۱۸۷۵ء۔۱۹۵۱ء)

تعارف: نام سید فضل الحسن تھا اور حسرت تخلص کرتے تھے۔ ۱۸۷۵ء میں ریاست اودھ کے قصبہ موہان میں پیدا ہوئے اس لیے موہانی نام کا حصہ بن گیا، والد کا نام سید اظہر حسن تھا۔

زمانہ طالب علمی ہی سے شعر و سخن کی راہ اختیار کی اور اس کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۰۸ء میں قید مشقت کی پہلی مرتبہ سزا پائی اور باغی قرار پائے۔ ملکی سیاست میں حصہ لینے کے باوجود شاعری کا فریضہ عبادت کی طرح انجام دیا۔ حسرت غزل کے روایت ساز شاعر اور ایک بڑے انسان تھے۔ انھوں نے حقیقی پردہ دار عورت کو غزل میں محبوب کا درجہ دیا۔ انھوں نے انیسویں صدی میں غزل کو بام عروج پر پہنچایا اور غزل میں زمین پر ننگے پاؤں چلنے کی روایت قائم کی۔ اس لیے انھیں "رئیس المتغزلین" تسلیم کیا گیا۔

ان کی اہم تصانیف "شرح دیوانِ غالب" "نکاتِ سخن" اور "دیوان حسرت" زیادہ مشہور ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان ہی میں رہے۔ امیر اللہ خاں تسلیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ ۱۹۵۱ء میں وفات پائی اور انوار باغ لکھنو میں فرنگی محل کے قریب دفن ہوئے۔

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

غزل 1

شعر 1 الٰہی ترکِ الفت پر، وہ کیوں کر یاد آتے ہیں ... بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں

(ڈیرہ غازی خاں 2009، راولپنڈی 2013ء)

حل لغت: ترکِ الفت: محبت سے دست بردار ہونا، محبت کو چھوڑنا

مفہوم: اے اللہ! میں نے محبوب کے ساتھ محبت ہی چھوڑ دی تو پھر بھلانے کے باوجود وہ مجھے کیوں مسلسل یاد آتے ہیں۔

تشریح:

سخن وری کے میدان کا وہ نام جسے اہلِ سخن "رئیس المتغزلین" کے نام سے جانتے ہیں۔ اُن کی شاعری جذبِ مسلسل سے بھری پڑی ہے۔ حسرت موہانی نے اپنی معروف غزل کے تشریح طلب شعر میں عشق و محبت کے معاملے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا، جو شخص اس کے دام میں آ جائے تو چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ عشق کے اسی جذبے کے متعلق غالب یوں رقمطراز ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ ... کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

عشق کی راہ بڑی کٹھن اور پُر خار ہوتی ہے۔ اس راستے پر گامزن ہونے کے بعد عاشق کو ان گنت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ محبوب کی جفا کاری، عدم توجہی، بے التفاتی، ظلم و ستم، بے رخی اور بے وفائی، عاشق کے سکون کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ پھر محبوب کے ہجر و فراق میں عاشق مسلسل عذاب میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ زمانہ الگ طور پر عاشق سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ لوگوں کی طرف سے طعن و تشنیع سننا پڑتی ہیں۔ ان حالات سے تنگ آ کر بعض دفعہ عاشق محبوب سے رابطہ منقطع کرنے کا سوچ لیتا ہے اور محبوب سے میل جول قطع کر لیتا ہے۔ بقول شاعر:

محبت ترک کی میں نے، گریباں سی لیا میں نے ... زمانے اب تو خوش ہو، زہر یہ بھی پی لیا میں نے

چناں چہ عاشق ترک محبت کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ لیکن ترک محبت کوئی آسان کام نہیں۔ اس کا کوئی سہل حل نہیں۔ ایک سچا عاشق ترک محبت کے باوجود اپنے محبوب کو دل سے نہیں نکال پاتا اور اُسے ہر لمحہ محبوب کا خیال ستاتا رہتا ہے۔

بھلانے پر بھی رہ رہ کر کسی کی یاد آتی ہے ۔۔۔ یہ شعلہ غم کے طوفانوں میں بھی مدھم نہیں ہوتا

شاعر نے بھی اسی طرح کی کیفیت بیان کی ہے۔ شاعر خدا سے ہم کلام ہے کہ اے خدا میں نے محبوب سے محبت ہی ترک کر دی ہے، اُس سے میل جول ختم کر دیا ہے، سلسلہ، روابط منقطع کر دیے ہیں تو پھر کیوں بار بار مجھے محبوب کی یاد ستاتی ہے۔ بقول ایوب اختر:

بسر شب ہوئی اپنی کانٹوں پہ اختر ۔۔۔ وہ غنچہ دہن رات بھر یاد آیا

دراصل شاعر کی زبان اُس کا ساتھ دے رہی ہے لیکن دل محبوب پر فریفتہ ہے۔ دل محبوب سے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کی ترک محبت کی کوشش کارگر ثابت نہیں ہو رہی۔ دراصل عشق کے روگ سے چھٹکارا پانا انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ ایسا جذبہ ہے جو عاشق کے دل سے مکمل طور پر ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا خار ہے جس سے کسی کا دامن اُلجھ جائے تو ناممکن ہے کہ پھر اس کا دامن آزاد ہو سکے۔ اس لیے عاشق کی بھرپور کوشش کے باوجود اکثر و بیشتر ترک عشق کی کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ بقول شاعر:

اس قدر بھی کوئی ستاتا ہے ۔۔۔ کوئی اتنا بھی یاد آتا ہے

شعر 2 نہ چھیڑ اے ہم نشیں! کیفیت صہبا کے افسانے ۔۔۔ شراب بے خودی کے، مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں

(ڈیرہ غازی خاں 2009، راولپنڈی 2013)

حل لغت: ہم نشیں: ساتھی، پاس بیٹھنے والا ۔ صہبا: کشید شدہ اعلیٰ سرخ شراب ۔ بے خودی: مستی ۔ افسانے: کہانیاں ۔ ساغر: شراب پینے کا پیالہ، جام

مفہوم: اے دوست! میرے سامنے شراب کی مستی کے افسانے مت چھیڑ کیوں کہ مجھے مستی و سرور پیدا کرنے والی شراب کے جام یاد آنے لگتے ہیں۔

تشریح:

تشریح طلب شعر کثیر الجہتی شعر ہے۔ شعر کی تشریح کئی پہلو سے کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ تشریح طلب شعر میں شاعر نے کسی ایسے شخص کی ترجمانی کی ہو جو ماضی میں شراب کی محفلیں سجاتا تھا۔ شراب سے سرور و تسکین حاصل کرتا تھا۔ اور اس شراب کو پی کر اُس پر مستی طاری ہو جاتی تھی اور اُس کے حواس جاتے رہتے تھے۔ تاہم بعد میں اس نے اپنی عادت ترک کر دی۔ اس لیے اب وہ اپنے احباب کو متنبہ کرتا ہے کہ اُس کے سامنے وہ شراب کے متعلق گفتگو نہ کیا کریں اور لذت شراب بیان نہ کریں کیوں کہ اس سے اُسے پھر شراب کے جام یاد آنے لگتے ہیں۔

روایتی غزل کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ عاشق اپنے محبوب سے محبت ترک کر چکا ہے تاہم ماضی میں محبوب کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات نہایت حسین اور پُر شکوہ تھے۔ اس طرح اگر کوئی دوست اُس کے سامنے معاشقانہ گفتگو چھیڑتا ہے، تو اُسے اپنے محبوب کی یاد ستانے لگتی ہے اور ماضی میں محبوب کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات اُس کی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں۔ اور عاشق ماضی کے حسن اور حال کی بے رنگی کو دیکھ کر اداس اور غم زدہ ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر:

گلے ملتے ہیں جب دنیا میں دو بچھڑے ہوئے ساتھی ۔۔۔ عدم ہم بے سہاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے

حقیقت میں شاعر نے اس شعر میں مسلمانوں کے تابناک و حسین ماضی اور عصر حاضر میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور زوال کا مضمون باندھا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ سارے عالم میں مسلمانوں کے علم لہرا رہے تھے۔ برصغیر میں بھی کبھی مسلمانوں کا طوطی بولتا تھا۔ افریقہ جیسا سرکش براعظم مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھا۔ ایشیا کا وسیع براعظم مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور یورپ میں بھی اسلامی گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن پھر جلد ہی زمانے نے کروٹ بدلی، تو مسلمان اپنی غفلت شعاری، عیش و نشاط اور مذہب سے دوری کی وجہ سے ہر جگہ محکوم ہو گئے۔

یورپی علاقہ جات مثلاً سپین / اسپانیہ سے وہ نکال دیے گئے۔ صیقلیہ سے البعباع کے دور میں مسلمانوں کا خروج ہوا۔ کوسوو اور بوسنیا وغیرہ میں بھی استعماری طاقتیں چھا گئیں۔ ایشیا فرنگیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ افریقہ اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہاں پہ شاعر کہتا ہے مجھے میرے حسین ماضی کی یاد مت دلاؤ، میرے سامنے مسلمانوں کے ماضی کا تذکرہ مت کرو۔ ورنہ مجھے اُن عظیم مسلم مشاہیر، اُن کے کارنامے اور فتوحات کے متعلق سوچ کر مستی طاری ہو جاتی ہے اور پھر آج کے مسلمانوں کی حالت زار کے متعلق افسردگی ہوتی ہے اور میں غم زدہ ہو جاتا ہوں۔ ایک شاعر کے الفاظ میں:

یادِ ماضی عذاب ہے یارب — چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

شعر 3 نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی — مگر جب یاد آتے ہیں، تو اکثر یاد آتے ہیں

(ڈیرہ غازی خاں 2009، راولپنڈی 2013ء)

حل لغت:

مفہوم: محبوب کی یاد جب نہ آئے تو مہینوں تک نہیں آتی لیکن جب یاد آتی ہے تو یہ مسلسل ستاتی رہتی ہے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں حسرت موہانی نے فطرت انسانی کے ایک خاص پہلو کے متعلق بات کی ہے۔ جب کوئی عاشق دنیاوی مصائب، تکالیف، رسوائی، بدنامی اور طعن و تشنیع سے خوف کھاتے ہوئے ترک محبت کا ارادہ کر بھی لے تو اس کا دل ایسا کرنے کا متحمل نہیں ہوتا اور پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عاشق محبوب کو بھلانے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا۔ وہ اُسے بھلانے کے جتنے جتن کرے تمام ناکام ہو جاتے ہیں۔ بقول شاعر:

یادوں کی جڑیں ٹوٹ ہی پڑتی ہیں کہیں سے — دل سوکھ بھی جاتا ہے تو بنجر نہیں ہوتا

تشریح طلب شعر میں بھی شاعر نے ایک ایسے عاشق کی ترجمانی کی ہے جو اپنے محبوب سے قطع تعلق کرنے کا خواہاں ہے تاہم وہ ایسا کر نہیں پاتا۔ جب عاشق غم دوراں، فکر معاش اور معاشرتی عدم مساوات میں الجھتا ہے یا پھر کسی بھی دنیاوی دھندے اور جھمیلوں میں پڑتا ہے تو ان میں اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کو بھول جاتا ہے۔ شاعر نے بھی یہی کہا ہے کہ عاشق دنیا کے کاموں میں الجھ کر بعض اوقات کئی کئی دن، کئی کئی ہفتے اور کئی مہینے تک اپنے محبوب کو فراموش کر دیتا ہے لیکن یہ فراموشی عارضی ثابت ہوتی ہے۔ عاشق مکمل طور پر محبوب کو بھلا نہیں پاتا۔ بقول فراق گورکھپوری:

ایک مدت سے تیری یاد بھی آئی نہ ہمیں — اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

تاہم جب عاشق دنیا کے دھندوں سے فراغت پاتا ہے تو اُسے پھر وہی محبوب کی یاد ستاتی ہے۔ اور پھر اُسے محبوب کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات یاد آنے لگتے ہیں اس کی یادوں کا گلستاں مہک اُٹھتا ہے۔

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ — ناداں پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

گویا محبوب کی یاد آتی ہے تو عاشق کو مسلسل ستاتی ہے اور جب دنیا کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے تو کئی مہینے بغیر یاد کیے گزر جاتے ہیں اور یہی حال جذبۂ عشق کا ہے۔ اس میں کمی بیشی اور اتار چڑھاؤ تو ممکن ہے لیکن اس سے مکمل طور پر چھٹکارا ناممکن ہے۔ بقول سیف الدین سیف:

؎ سیف کس طرح بھلائے گا تجھے — کیا ترے لطف و کرم یاد نہیں

شعر 4 حقیقت کھل گئی حسرتؔ، ترے ترکِ محبت کی — تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی، بڑھ کر یاد آتے ہیں

حل لُغت: حقیقت: اصلیت

مفہوم: اے حسرت! ترے ترکِ محبت کی اصلیت ظاہر ہو چکی ہے کہ محبوب تجھ کو پہلے سے بھی زیادہ یاد آتا ہے۔

تشریح:

حسرت موہانی خود سے ہم کلامی کر رہے ہیں کہ اے حسرت تم نے جو محبوب کی محبت ترک کرنے اور جذبہ عشق کے ترک کرنے کے دعوے کیے تھے اُن کی اصلیت منظر عام پر آ چکی ہے۔ اب ترک محبت کی حقیقت افشا ہو چکی ہے۔ اور ترک عشق کا بھید عیاں ہو گیا ہے کہ ترکِ محبت کے دعووں کے باوجود (شاعر) اپنے دل سے خیال محبوب نہیں نکال سکا۔ اور یوں شاعر خود اس حقیقت کا معترف ہے کہ آتشِ عشق کو از خود سلگانا محال اور از خود بجھانا ناممکن ہے۔ شاعر نے محبوب سے تعلقات منقطع کرنے کی بہت کوشش کی ہے تاہم وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی محبت جوں کی توں دل میں موجود رہتی ہے۔ بلکہ شاعر کے بقول پہلے سے بھی زیادہ محبت پیدا ہو گئی ہے۔ شاعر نے الفت ختم کرنا چاہی تو محبت اور بڑھ گئی۔

؎ روز کہتا ہوں بھول جاؤں اُسے — روز یہ بات بھول جاتا ہوں

غزل نمبر 2

شعر 1 رسمِ جفا کامیاب، دیکھیے کب تک رہے — حبِ وطن مستِ خواب، دیکھیے کب تک رہے

(ملتان 2008ء، فیصل آباد 2012ء)

حل لُغت: رسمِ جفا: ظلم و ستم کی رسم — حبِ وطن: وطن کی محبت

مستِ خواب: نیند میں مست، نیند میں محو

مفہوم: دیکھیے انگریزوں کے جبر اور ظلم و ستم کب تک جاری رہتے ہیں اور کب تک اہلِ وطن میں حب الوطنی کا جذبہ مستِ خواب رہتا ہے؟

تشریح:

حسرت موہانی آزادی پسند، سرکار انگلشیہ کے سخت مخالف، ایک شعلہ بیاں مقرر آزادی کے روحِ رواں اور پابند سلاسل بھی رہے۔ تشریح طلب شعر میں شاعر انگریزوں کے ظلم و ستم کے بارے میں بتاتے ہیں۔ سات سمندر پار سے آنے والی یہ غاصب قوم برصغیر کے لوگوں بالخصوص مسلمانوں کے مصائب و تکالیف سے یکسر بے نیاز واقع ہوئی تھی۔ 1610ء میں مسلمانوں ہی نے انگریز تاجروں کو برصغیر آنے کی اجازت دی تھی۔ اُس وقت مغل حکومت کی بنیادیں مستحکم تھیں۔ لیکن طوائف الملوکی کے دور میں ان

لوگوں نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیے، تو مغل حکمرانوں کو احساس ہوا کہ تاجر کا لبادہ اوڑھ کر آنے والی یہ قوم غاصب ہے۔

بہر صورت انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا الامان والحفیظ۔ 1857ء کی جنگ آزادی جسے انگریز ہمیشہ ''غدر'' قرار دیتے ہیں، میں وہ قتل و غارت ہوئی کہ خود انگریز موّرخوں نے اس کا اعتراف کیا اور بعض لبرلز نے تو اظہار نفرت بھی کیا۔

مسلمانوں کی لاشوں کو درختوں پر لٹکایا گیا۔ گنگا و جمنا میں مسلمانوں کی برہنہ لاشیں تیرتی رہیں اور مسلمانوں کی املاک چھین کر ہندوؤں کو دے دی گئیں۔ مغل شہزادے نیزے میں پرو دیے گئے۔ بہادر شاہ ظفر کو جلا وطن کر دیا گیا تاکہ آئندہ بغاوت کا خدشہ نہ رہے۔ کھولتے تیل کے کڑاہوں میں زندہ مسلمانوں کو جلا دیا گیا۔ جنھوں نے اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی ان کی زبانیں کاٹ دی گئیں۔ آنکھوں میں دہکتی سلاخیں پھروا کر ہمیشہ کے لیے بے نور کر دی گئیں۔ انسانی اعضا کاٹے گئے۔ ان لوگوں نے چنگیز اور ہلاکو کی بربریت کی یاد تازہ کر دی تھی، لیکن حقیقت میں یہ قوم چنگیز و ہلاکو سے بھی زیادہ ظالم تھی۔ کیوں کہ چنگیز و ہلاکو دور زاد جاہل، اُجڈ اور وحشی تھے۔ وہ لوگ تہذیب کے نام سے ناآشنا تھے۔ کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرنا اُن کا مشغلہ تھا۔ لیکن یہ ظالم قوم بیسویں صدی کی ایک ترقی یافتہ مہذب قوم کہلاتی تھی۔ مسلمانوں کے قتل سے انھیں سکون ملتا تھا۔ بقول فیض احمد فیض:

اک گردنِ مخلوق جو ہر حال میں خم ہے ۔۔۔ اک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے

شاعر کہتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ غداروں کا ہے جو انگریز کی غلامی کے لیے ہر دم تیار رہتا ہے۔ دوسرا طبقہ خاموش لوگوں کا ہے جو انگریزوں کے مظالم دیکھ کر چپ سادھے بیٹھے ہیں، گویا انھوں نے بھی انگریزوں کی غلامی قبول کر لی ہے۔ تیسرا طبقہ وطن سے محبت کرنے والوں کا ہے۔ تاہم وطن سے محبت کرنے والوں کا انجام دیکھ کر اکثر محبِ وطن بھی خاموش ہو گئے ہیں اور بعضوں نے فرنگی راگ الاپنا شروع کر دیے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کب تک محبِ وطن خواب میں مست رہیں گے؟ کب تک یہ لوگ انگریزوں کے مظالم برداشت کریں گے؟ کب تک خاموش بیٹھے رہیں گے؟ کب تک سرکار کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے؟ کب یہ لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں گے؟ جب تک یہ لوگ خود فرنگیوں کو کہیں مار نہ بھگائیں گے اس وقت تک ان سے چھٹکارا پانا محال ہے۔ بقول شاعر:

دیکھیے سہتے ہیں کب تک اہلِ دل جور و ستم ۔۔۔ دیکھیے رہتی ہے کب تک ظلم کی رسی دراز

بقول صغیر احمد صغیر:

ستم آہستہ آہستہ، فغاں آہستہ آہستہ ۔۔۔ نجانے کب تلک ہے امتحاں آہستہ آہستہ

شعر 2:

دل پہ رہا مدتوں، غلبۂ یاس و ہراس ۔۔۔ قبضۂ حزم و حجاب، دیکھیے کب تک رہے

(بہاولپور 2008، ملتان 2008، لاہور 2010 فیصل آباد 2012ء)

حلِ لغت:

مدتوں: بہت عرصے تک ۔ غلبہ: قبضہ ۔ یاس: ناامیدی، شدید مایوسی ۔ ہراس: ڈر، خوف

حزم: احتیاط ۔ حجاب: شرم و حیا، جھجک

مفہوم:

پہلے تو مسلمانوں کے دلوں پر مدت تک ناامیدی و خوف کا غلبہ رہا اور اب شرم و احتیاط غالب آ چکی ہے۔ دیکھیے یہ کب تک رہتی ہے؟

تشریح:

برصغیر میں آ کر انگریزوں نے مسلمانوں کو کچلنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ لیکن حسرت کے تشریح طلب شعر کے نقطۂ نظر کو ذرا وسیع تناظر میں پرکھا جائے تو یہ شعر ہندوستانی مسلمانوں کی بجائے تمام مسلم قوم کی حالت کا بھی غماز ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ دور

تھا جب کہ دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کا قتلِ عام جاری تھا۔ خونِ مسلم اس قدر ارزاں ہو چکا تھا کہ نپولین نے یافا کے چار ہزار ترک مسلم قیدیوں کو محض اس لیے قتل کروا دیا تھا کہ وہ انھیں خوراک مہیا نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی مصر بھیجنے کا انتظام کر سکتا تھا۔ یوں بات بات پر مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جاتا۔ طرابلس میں اٹلی خونریزی کر رہا تھا۔ بیشتر ایشیائی ممالک میں بھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ فلسطین میں الگ خونی کھیل جاری تھا۔ مسلمانوں کے گھروں پر بلڈوزر چلائے گئے۔ مکان زمیں بوس کر دیے گئے۔ باندھے ہوئے مسلمانوں کو سڑک پر لٹا کر اُن پر بلڈوزر پھیر دیا گیا۔ بیت المقدس کی دیوار کے ساتھ مسلمانوں کو قطار میں کھڑا کر کے یہودیوں نے گولیاں چلا دیں۔ بقول شاعر:

کرو گے خون کب تک فاختہ کا ۔۔۔ بچھاؤ گے بھلا یہ جال کب تک

برِصغیر میں بھی 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے ستارے گردش میں آ گئے تھے۔ دہلی سے مسلمان جلاوطن کیے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ سرکاری ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا۔ اعلیٰ عہدے صرف ان چند مسلمانوں کو دیے جاتے جو ملک و دین سے غداری پر آمادہ ہوتے تھے۔ مسلمانوں کو معاشی، علمی اور سماجی طور پر مفلوج کیا گیا۔ اُن کے کتب خانے لوٹ کر انگلستان بھیج دیے گئے۔ کارخانے جہازوں پر لاد کر بحری سفر کے راستے یورپ بھیجے گئے اور اُن کی تاریخی عمارات لوٹی گئیں۔ لال قلعے کی چھتوں سے سونے کے پترا کھیڑ لیے گئے۔ لال قلعے پر لگا ہوا منوں سونا اتار لیا گیا۔

چناں چہ ان حالات میں مسلمان مکمل طور پر مایوس اور ناامید ہو گئے۔ جب کوئی شخص یا قوم مایوس یا ناامید ہو جائے تو گویا وہ اپنی موت کو خود آواز دیتی ہے۔ یہ وہ عناصر ہیں جو قوم کو مردہ کر دیتے ہیں۔ بہر صورت ان تمام واقعات کو دیکھ کر مسلمان خوف زدہ ہو گئے کہ اگر اسی طرح اُن کا استحصال ہوتا رہا تو مستقبل میں اُن کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور پھر ایک لمبے عرصے تک یہ کیفیت طاری رہی۔ بقول اقبال:

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی ۔۔۔ دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

تاہم آہستہ آہستہ پھر مسلمانوں کے دلوں سے خوف جاتا رہا۔ لیکن مسلمان جو قدم بھی اٹھاتے وہ نہایت احتیاط سے اور جھجکتے ہوئے اٹھاتے، کہ انگریزوں کو اس کی خبر نہ ہو۔ حسرت کہتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ کب تک مسلمان احتیاط و حیا کا لبادہ اوڑھے رہیں گے۔ جب یہ لبادہ اُتار پھینکیں گے تو پھر منزل آسان ہو جائے گی۔ بقول اقبال:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں ۔۔۔ جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

شعر 3

تا بہ کجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب ۔۔۔ ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

(بہاول پور 2008ء لاہور 2010)

حلِ لُغت:

تا بہ کجا: کب تک، کہاں تک ۔۔۔ دراز: طویل ۔۔۔ سلسلہ ہائے فریب: دھوکہ بازی کے سلسلے

ضبط: برداشت ۔۔۔ تاب: طاقت، ہمت

مفہوم:

دیکھیے کہ دھوکہ دہی کے یہ سلسلے کتنے طویل ہوتے ہیں اور عوام انھیں کب تک برداشت کرتی رہے گی؟

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے انگریزوں کی دھوکہ بازی اور ریاکاری کے متعلق بیان کیا ہے۔ درحقیقت انگریزوں نے برِصغیر میں دھوکہ بازی سے حکومت کی، دھوکہ بازی سے پاؤں پھیلائے، پُرفریب چالوں سے فتوحات حاصل کیں اور مکاری وعیاری کا ثبوت دیتے ہوئے ہر جنگ میں غدار پیدا کر کے اُن کے ذریعے سے اہم راز حاصل کیے اور آخرکار برِصغیر پر قابض ہو گئے۔

جنگ آزادی تک جتنی جنگیں لڑی گئیں تمام کی فتح کے پیچھے دھوکہ بازی اور غداروں کا ہاتھ تھا۔

جنگ عظیم اول (1914ء - 1918ء) ہی کی مثال لے لیجیے۔ جنگ کے شروع میں جرمنی اور ترکی کی فتح نظر آرہی ان ممالک کی فتح پورے ایشیائی انگریزی غلبے کے لیے پیامِ موت تھی۔ چناں چہ انگریزوں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا تو نے ہندوستانی لوگوں بالخصوص مسلمانوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور جنگ عظیم میں لڑائی کے لیے مسلمان فوجی بھرتی کیے۔ کہ ہندوستانی لوگوں کا اس جنگ سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو اتحادی طاقتوں سے ہرگز نہ تھا بلکہ ترکی سے تھا۔ لیکن انگریزوں نے مسلمانوں کو سبز باغ دکھائے۔ انھیں تاب ناک مستقبل، ہوم رول اور آزادی کی نوید سنائی۔ مزید برآں یہ وعدہ کیا کہ فتح کے بعد سلطنت عثمانیہ کو منتشر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی مسلمانوں کے مقدس مقامات کو چھیڑا جائے گا۔ لیکن فتح کے بعد ان انگریزوں نے ترکی کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنے وعدے پورے نہ کیے۔ بقول شاعر:

دل شکستہ ہے فریبوں سے، جفا سے اب تو — سازشوں کا نہ کوئی جال بچھایا جائے

اس کے علاوہ بھی انگریزی حکومت وقتاً فوقتاً دھوکہ بازی پر مشتمل پالیسیوں کا نفاذ کرتی رہی۔ عوام کو بہلانے کے لیے کئی پالیسیاں نافذ العمل کی گئیں۔ چند روپوں کے عوض انھیں جان کی بازی لگانا پڑ رہی تھی۔ انگریزوں نے ہمیشہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کو استعمال کیا۔ عیاری اور مکاری سے ایسے ذرائع استعمال کیے جن سے اُن کے اقتدار کو طول حاصل ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ دیکھیے لوگوں میں کب تک یہ ظلم وستم برداشت کرنے کی ہمت رہتی ہے۔ اور کب لوگ اس جفا کاری کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ دراصل وہ علی الاعلان لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسا رہے ہیں۔

اے ظلم کے ماتو لب کھولو — چپ رہنے والو چپ کب تک

بقول قتیل شفائی:

دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی — جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

بقول منیر احمد صغیر:

عجیب لوگ ہیں کہ ظلم سہے جاتے ہیں — عجیب راز ہے کہ بولتا نہیں کوئی
یہاں کے لوگوں کے ذہن وزباں مقفل ہیں — کہ تنہا بیٹھ کے بھی سوچتا نہیں کوئی

شعر 4

پردۂ اصلاح میں، کوشش تخریب کا — خلقِ خدا پر عذاب، دیکھیے کب تک رہے

(بہاول پور 2008ء، لاہور 2010ء، فیصل آباد 2012ء)

حل لغت:

پردۂ اصلاح میں: درستی کی آڑ میں

کوششِ تخریب: خراب کرنے کی کوشش / بگاڑ اور توڑ پھوڑ کی کوشش

مفہوم:

اصلاح کی آڑ میں برباد کرنے کی کوشش دیکھیں کب تک رہتی ہے اور مخلوق الٰہی پر یہ عذاب کب تک رہتا ہے؟

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے انگریز حکومت پر تنقید کی ہے۔ شاعر نے انگریزوں کی نافذ کردہ اصلاحات کے متعلق درحقیقت آرا و بیان کی ہیں کہ اصلیت میں یہ اصلاحات نہیں بلکہ تخریب کاری کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ہنوز جاری ہے۔ انگریز حکومت نے بارہا ایسے اقدامات کیے۔ جو دیکھنے میں عوام کی فلاح و بہبود کے عکاس نظر آتے تھے لیکن اُن کے پیچھے بھی انگریزوں کے معاشی وسیاسی فوائد پوشیدہ تھے۔

نظامِ تعلیم ہی کی مثال لے لیجیے۔ پہلے پہل انگریزوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن جب کمپنی کو انگلستان سے مہنگی تنخواہ پر ملازم بلانے پڑتے، تو پھر انگریزوں نے ایک خاص نصاب کے مطابق ہندوستانی لوگوں کو تعلیم دی تا کہ کلرک اور انگریزوں کے نمک خوار اور وفادار پیدا کیے جاسکیں، اس نظام تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ ایک تنگ نظر اور متعصب انگریز لارڈ میکالے نے وضع کیا تھا اس نے کہا تھا۔

ترجمہ۔ ”مجھے ایک ایسا نظام تشکیل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے جس کا مقصد کلرکوں کی پیداوار ہے“۔

انگریزی زبان کو دفتری زبان قرار دیا گیا۔ ساٹھ کروڑ آبادی کے اس ملک میں جہاں تقریباً چالیس زبانیں بولی جاتی تھیں جہاں کا ایک بچہ بھی انگریزی سے واقف نہ ہو۔ کیا انگریزی کو دفتری زبان قرار دیا جاسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ ایک ہتھکنڈا تھا جو برصغیر کے لوگوں کو دفتری امور سے فارغ کرنے کا بہانہ تھا۔

ریل کی پٹڑیاں بھی صرف اُن علاقوں میں بچھائی گئیں جہاں سرکار کو ضرورت تھی تا کہ بوقت بغاوت گورے سپاہیوں کو ریل کے راستے کسی محفوظ مقام پر منتقل کیا جائے۔ مزید برآں خام مال کی ترسیل کے لیے بھی پٹڑیوں کی ضرورت تھی۔ محکمہ ڈاک ہی کو دیکھ لیجئے۔ ڈاکیے کی تنخواہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ خطوں کی ترسیل کے لیے ہندوستانی عوام سے پیسے بٹورے جاتے اور ہندوستانی ڈاکیے استعمال کیے جاتے جنھیں معمولی تنخواہ ملتی۔ گویا انگریزوں کا ڈاک سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ پیسے ہندوستانیوں کے اور ترسیل کرنے والے ہندوستانی۔ لیکن یہ پیسے بالواسطہ سرکار انگلشیہ کی تجوری بھرنے کے لیے استعمال ہوتے۔ میسور کا علاقہ گرم مصالحوں کی پیداوار میں مشہور تھا۔ انگریز یہاں سے خشک مصالحہ جات خریدتے اور برصغیر کے دوسرے حصوں میں دوہری قیمت پر بیچ دیتے۔ بقول شاعر:

باغباں سینچتا ہے اپنے لیے پیڑوں کو　　آخر کو انھیں ڈھیر کرے گا اک دن

دوسرے مصرعے میں شاعر نے انگریزوں کو عوام پر عذاب قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ علماء کے ایک طبقے کا یہ موقف تھا کہ انگریز ہندوستانی عوام کے کرداروں کی سزا ہے۔ عیش ونشاط اور بداعمالیوں کے نتیجے میں عذاب کے طور پر انگریز قوم اُن پر مسلط کی گئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دیکھیے تخریب کاریوں کے سلسلے کب تک جاری رہتے ہیں۔ بقول شاعر:

رہزنوں سے تو بھاگ نکلا تھا　　اب مجھے رہبروں نے گھیرا ہے

اور عوام الناس پر یہ عذاب کب تک مسلط رہتا ہے۔

اے آفتاب حب وطن تو کدھر ہے آج　　تو ہے کدھر؟ کہ کچھ نہیں آتا نظر ہے آج

شعر 5

حسرت آزاد پر، جور غلامان وقت　　از رہ بغض و عتاب، دیکھیے کب تک رہے

حل لغت:

جور: ظلم وستم　　غلامان وقت: ابن الوقت، موقع پرست لوگ

از رہ بغض وعتاب: کینہ ودشمنی کے طور پر

مفہوم: دیکھیے! آزادی پسند حسرت پر ابن الوقت طرز کے لوگ کب تک کینہ ودشمنی کے طور پر ظلم وستم روا رکھتے ہیں؟

تشریح:

تشریح طلب شعر میں حسرت نے اپنے آپ کو آزادی پسند قرار دیا ہے۔ یہ بات فقط اُن کی زبانی نہیں بلکہ کردار کی سطح پر بھی ہوئی ہے کہ وہ واقعی آزادی پسند تھے۔ کئی مرتبہ انھیں جیل میں جانا پڑا لیکن وہ حق پر ڈٹے رہے۔ بعض دفعہ تو ایسا ہوا کہ جلسے میں

تقریر کر رہے تھے تو دورانِ تقریر پکڑ کر جیل میں ڈال دیے گئے۔ لیکن استقلال اور ثابت قدمی دیکھیے کہ سزا پوری کرنے کے بعد باہر آنے پر لوگوں کو اُسی جلسہ گاہ میں اکٹھا کیا اور کہنے لگے ہاں تو میں اُس دن کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ اپنے آپ کو آزادی کا دلدادہ قرار دیتے تھے اور لوگوں کو علی الاعلان آزادی کی ترغیب دیتے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں تمام مصائب حوصلہ مندی سے برداشت کرتا ہوں۔ بقول حسرت:

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

لیکن شاعر کہتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں بعض ابن الوقت قسم کے لوگ بھی ہیں جو اجتماعی فائدے کی بجائے وقتی مصلحت اور فائدے کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور جی حضوریوں کی طرح انگریزوں کے ہر صحیح و غلط قدم میں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ حکومت کو خوش کرنے کے لیے یہ لوگ آزادی پسندوں سے ٹکر لیتے تھے۔ دورانِ قید انھی خوشامدیوں نے حسرت پر پتھراؤ بھی کیا تاکہ حکومت خوش ہو۔ شاعر نے انھی لوگوں کے متعلق بیان کیا ہے کہ آزادی انھیں خود تو پسند نہیں ہے، غلام طبیعت کے مالک ہیں اور غلام رہنے پر قانع ہیں۔ چناں چہ مجھے اپنی طبیعت کے برخلاف پا کر یہ لوگ بغض کا شکار ہو جاتے ہیں اور کینہ و دشمنی کے طور پر مجھ پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ مجھ پر ان ابن الوقتوں کا ظلم و ستم کب تک جاری رہتا ہے۔

بقول جاوید انجم لائل پوری:

ہم جو منصور ہیں زمانے کے　　　　تبھی زیرِ عتاب ہیں ہم لوگ

مشق

(1) مختصر جواب دیں۔

(i) دونوں غزلوں میں ردیف کہاں استعمال ہوئی ہے؟

ج ہر غزل کے مطلع کے دونوں مصرعوں کے آخر میں اور پھر ہر شعر کے دوسرے مصرعے کے آخر میں ردیف استعمال ہوئی ہے۔

(ii) دوسری غزل میں کون کون سے قافیے استعمال ہوئے ہیں؟

ج کامیاب، خواب، حجاب، تاب، عذاب اور عتاب قافیے ہیں۔

(iii) پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔

ج بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں　　الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

(iv) دوسری غزل کی ردیف کیا ہے؟

ج "دیکھیے کب تک رہے" ردیف ہے۔

(2) درج ذیل شعر میں اصطلاحی مفہوم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درست اصطلاح پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں　　الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

✓ (الف) مطلع　　(ب) مقطع　　(ج) قافیہ　　(د) مطلع ثانی

(ii) "رسمِ جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے" میں "کب تک رہے" ہے۔

(الف) مطلع　　(ب) مقطع　　(ج) قافیہ　　✓ (د) ردیف

(iii) ''حسرت آزاد پر جور غلامانِ وقت'' میں ''حسرت''

(الف) قافیہ　(ب) ردیف　(ج) تخلص ✓　(د) مقطع

(3) مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کی وضاحت کریں۔

الفاظ وتراکیب		وضاحت
حبِ وطن	:	وطن کی محبت
ترکِ الفت	:	محبت کا خاتمہ
غلبہ یاس وہراس	:	نا امیدی، مایوسی اور خوف کا قبضہ ہونا
تخریب	:	برباد کرنا، خراب کرنا

(4) درج ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

الفاظ	:	جملے
خواب	:	علامہ اقبال نے آزاد مسلم ریاست کا خواب دیکھا تھا۔
حجاب	:	عورتوں کا حجاب کرنا اسلام میں لازم ہے۔
خبر	:	یہ آج کی تازہ خبر ہے۔
جفا	:	عاشق کے لیے محبوب کی جفا بھی نعمت ہوتی ہے۔
حب	:	والدین کی حُب سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

(5) دوسری غزل کے پہلے دو اشعار کی تشریح کریں۔
دیکھیے اشعار کی تشریح

(6) حسرت موہانی کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری میں لکھیں۔

غزل

حسنِ بے پروا کو خود بین وخود آرا کردیا　کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کردیا
بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بے تابیاں　ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کردیا
پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی　اضطرابِ شوق نے اک حشر برپا کردیا
ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز　تجھ کو آخر آشنائے نازِ بیجا کردیا
اَب نہیں دل کو کسی صورت کسی پہلو قرار　اس نگاہِ ناز نے کیا سحر ایسا کردیا
عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے　مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کردیا
کیوں نہ ہو تیری محبت سے منور جان و دل　شمع جب روشن ہوئی گھر میں اُجالا کردیا
تیری محفل سے اُٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال　دیکھتا تھا میں کہ تُو نے بھی اشارا کردیا

سب غلط کہتے تھے لطفِ یار کو وجہِ سکوں
درد دل اس نے تو حسرت اور دونا کردیا